ایرانی صدر کے تازہ ترین بیانات کا سلسلہ

امت کو خطابت کی نہیں تدبر کی ضرورت ہے

انقلاب شبنم اور دیمک کی طرح لائے جاتے ہیں

ایرانی صدر نے کہا ہے کہ ہولوکاسٹ کے افسانے حقیقت پر مبنی نہیں۔ یہودیوں پر ظلم وتشدد کی کہانیاں رنگ آمیز ہیں۔ اسرائیل ایک ناسور ہے اسے یورپ منتقل کر دینا چاہیے۔ اس بیان پر اسرائیل نے ردعمل کا اظہار کیا تو اس بیان کی وضاحت کرتے ہوئے ایرانی وزارت خارجہ نے کہا ہے کہ اسرائیل کی ناراضگی بلاوجہ ہے۔ اگر یورپ نے یہودیوں پر مظالم کیے تھے تو انھیں اپنے خرچے پر اس کا ازالہ کرنا چاہیے نہ کہ مشرق وسطیٰ کے خطے کو اس کی قیمت ادا کرنی چاہیے۔ ہمارا یہ موقف نیا نہیں پرانا ہے۔ یورپ اس معاملے کو دوسرا رخ دے کر اصل صورت حال کو مسخ کرنا چاہتا ہے۔ قبل ازیں احمد نژادی نے کہا تھا کہ اسرائیل ایک دہشت گرد ریاست ہے اسے صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہیے۔ لیکن کیا کسی ریاست کا وجود صرف ایک تقریر سے مٹایا جا سکتا ہے؟

رائٹر اور اے ایف پی کے مطابق صدر احمد نژاد نے کہا:

If Germany and Austria believed Jews were massacred during the world war II a state of Israel should be established on these soil. The Holocaine was matter of belief interprated as Holocaine denial.

انھوں نے مزید کہا کہ:

Holocaust is a myth the Jewish state should be moved as far any as ALASKA. They have invented a myth that Jews were

massacred and place this above God, religions and prophets.

جرمنی آسٹریلیا، اسرائیل، امریکہ، ترکی، روس اور یو این او کی سیکوریٹی کونسل نے ایرانی صدر کے تازہ بیان کی مذمت کی ہے۔ اگر اس بیان کا مقصد یہی تھا کہ عالمی ذرائع ابلاغ کی توجہ حاصل کی جائے تو وہ مقصد حاصل ہو گیا لیکن اس سے عالم اسلام کو یا صرف ایران کو کیا حاصل ہوا۔ خالی غبارے میں ہوا بھری جا سکتی ہے لیکن صرف اتنی حواس کی زندگی کے لیے خطرہ نہ بنے ورنہ غبارہ اپنے ہی غبار سے پھٹ سکتا ہے۔ افسوس کہ عالم اسلام میں ایسے غباروں کی کمی نہیں۔ کرنل قذافی، مہاتیر محمد، یاسر عرفات، صدام حسین جیسے غباروں سے لمحوں میں دنیا نے ہوا نکلتے ہوئے دیکھی ہے۔ عالم اسلام کو بیان بازی کی نہیں ٹھوس کام کی ضرورت ہے۔

احمد نژادی کے ان خطیبانہ بیان کو بہر حال حکیمانہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان بیانات کے پس پردہ مقاصد کیا ہیں؟ ہماری پہنچ سے باہر ہیں۔ ان بیانات کے اجراء کی کیا ضرورت ہے یہ بھی ایک اہم سوال ہے۔ کیا دنیا میں کامیابی بیان بازی سے حاصل ہو سکتی ہے؟ کیا مغرب اور اسرائیل کا مقابلہ تقریری مباحثوں اور اخباری بیانات سے کیا جا سکتا ہے۔ امت مسلمہ کے رہنماؤں کو بیان بازی کا چسکا کیوں ہے؟ کسی منصوبہ بندی، ٹھوس عزائم و کام کے بغیر بے بنیاد بیان بازی کا مطلب سستی شہرت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اسرائیل اور امریکہ جیسی طاقتوں کو چیلنج کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے دامن کا اور گریبان کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ خود احمد نژاد کے گھر کا کیا حال ہے۔ صدر منتخب ہونے کے بعد وزیر پٹرولیم کی تقرری کے مسئلے پر انھیں ایوان نمائندگان کے سامنے تین مرتبہ شکست ہو چکی ہے۔ ان کے نامزد وزیر کو ہر مرتبہ ایوان نے اس بنیاد پر مسترد کر دیا کہ اس کا کوئی تجربہ نہیں، وہ ایک بڑا سرمایہ دار ہے، یا امیر آدمی ہے یا اس کے تیل کے کارخانے ہیں لیکن وہ اس اہم ترین عہدے کی اہلیت نہیں رکھتا جو صدر اپنی کابینہ کے لیے ایک موزوں وزیر پٹرولیم کا تقرر نہیں کر سکتا اور جس کی ایوان نمائندگان پر گرفت اس قدر کمزور ہے کہ ایوان اس کی درست یا غلط تجویز کو منظور نہیں کرتا وہ فرد اسرائیل اور امریکہ سے ٹکر لینے چلا ہے تو بڑی حیرت انگیز، بڑے حوصلے اور بڑی جسارت کی بات ہے۔

ایرانی صدر نے صدارت پر متمکن ہونے کے بعد مستقبل کے عزائم پر مبنی جو تحریری دستاویز جاری فرمائی ہے اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کو بدلنے کا ان کے پاس کوئی زاویہ نہیں، اس اہم دستاویز کا مرکزی نکتہ یہ مضمون ہے کہ ''ایران مستقبل میں تیل کے بجائے اپنی موسیقی کی برآمدات سے تجارت کی نئی دنیا آباد کرے گا'' جو ملک موسیقی کے ذریعے اپنی تجارت و معیشت کو فروغ دینے کا عزم رکھتا ہو اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ بڑی طاقتوں سے الجھ سکے۔ یہ درست ہے کہ امریکہ ان دنوں شدید دباؤ میں ہے، فرانس کے ہنگاموں نے مغربی اور یورپی طاقتوں کے بل نکال دیئے ہیں۔ عراق اور افغانستان میں دنیا کی عظیم الشان

طاقتوں کی مسلسل شکست نے ان کی معیشت کو ڈالواڈول کر دیا ہے۔ امریکہ کے خلاف دنیا بھر میں خصوصاً یورپ اور امریکہ میں نفرت بڑھ رہی ہے اور عراق کا محاذ جنگ بند کرنے کے لیے دباؤ دن بہ دن بڑھ رہا ہے۔ ممکن ہے ان آثار کے باعث ایرانی صدر نے یہ سوچا ہو کہ امریکہ نفسیاتی طور پر پسپا ہے لہٰذا اس پسپائی کے مرحلے میں امت مسلمہ کو نفسیاتی کمک پہنچائی جائے اور ان کے حوصلے بلند کیے جائیں لیکن اس قسم کی کوئی کوشش نہ ماضی میں کبھی کامیاب ہوئی نہ مستقبل میں اگر اس کوشش کے کامیاب ہونے کے امکانات بھی ہیں یا کسی اتفاقی حادثے کے باعث یہ کوشش بہ ظاہر کامیاب بھی نظر آئے تو یہ محض اتفاقی کامیابی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں لیکن جیسے ہی اتفاقی کامیابی کی عمر ختم ہوتی ہے تو مسائل مشکلات اور مایوسی و ناامیدی کے بادل یلغار کرنے لگتے ہیں۔ ایرانی صدر کا طرز تخاطب اور انداز سیاست اور رویہ قرآن و سنت کے مزاج اور منہج کے خلاف ہے۔ انبیاء کے پیروکار اس لب و لہجے میں گفتگو نہیں کر سکتے نہ اس کی اجازت ہے۔ دشمن کے ساتھ بھی شریفانہ طور طریقے ضرور رکھے جائیں۔ احمد نژادی کو اور امت مسلمہ کے تمام جذباتی رہنماؤں کو یہ بات اچھی طرح گرہ میں باندھ لینی چاہیے۔

ایرانی صدر نے جرمنی اور آسٹریلیا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

Come and give one two or more provinces to the Zionist regime so they can create a country there which all of Europe will support and the problem will be solved at its root. Give a piece of your land in Europe the USA Candaor Alaska so they can create their own states.

نیونازی (NeoNazi) تاریخ داں جو اصلاً قوم پرست ہیں اس موقف کے علمبردار ہیں کہ جرمنی نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کا قتل عام نہیں کیا۔ ۱۹۳۳ء اور ۱۹۴۵ء کے دوران قتل عام کبھی ہوا ہی نہیں۔ یہ تاریخی جھوٹ ہے۔ اس موقف کی تائید کرتے ہوئے ایرانی اسپیکر نے اس موضوع پر فرمایا:

He defended right of revisionist historians to question the Holocanust there was even an idea to create a Jewish state in Argentina there should be a logical response to what the president said not a polemic.

سوال یہ ہے کہ کیا ایرانی صدر مورخ ہیں؟ کیا ان کا بیان ایک محقق و مورخ کا ہے یا ایک سیاستدان کا؟ مورخانہ بیان کی نوعیت تحقیقی ہوتی ہے نہ کہ الزامی۔ ایرانی صدر اگر تحقیق کے نئے افق روشن کیے تھے تو یقیناً

اعداد وشمار اور دلائل کی روشنی میں پیش کیے جاتے، کسی کو انکار کی جرات نہ ہوتی نہ دنیا کا کوئی ملک اس معاملے پر کچھ کہہ سکتا، لیکن کھوکھلے دعوے، الزامات کی زد میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے خواہ اس کے پیچھے اخلاص نہایت گہرا ہی کیوں نہ ہو، ایرانی اسپیکر نے جلتی پر تیل کا کام کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

Why should we not let researcher carry out research? We can not close the doors on research we cannot prevent people from doubting. We even doubt the existen of God so why not express doubts on other subjects?

سوال یہ ہے کہ شک صرف ہولوکاسٹ پر کیوں کیا جا رہا ہے۔ مغرب کی فکر، فلسفے، تہذیب، سائنس، اقدار روایات، تمدن، طرز زندگی پر کیوں نہیں کیا جا رہا ہے۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے لیکن اس مسئلے پر نہ کوئی تحقیق ہے نہ کوئی بیان۔ ہیبر ماس جیسا مغربی فلسفی ایران کی جامعات میں مقبول ترین ہستی ہے، مغربی فلسفے پر شک وشبہ کیے بغیر اس پر داد تحقیق دیے بغیر ضمنی موضوعات میں الجھنا تحصیل لا حاصل ہے اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ عہد حاضر کے قائدین امت مسلمہ کا اجتماعی مسئلہ یہی ہے کہ یہ خطابت کی لذت میں مبتلا ہیں اور بیان بازی کے ذریعے دنیا کو تسخیر کرنا چاہتے ہیں، لیکن دنیا کبھی خطابت سے فتح نہیں ہوتی۔ تمام اسلامی تحریکیں اسی قسم کی جوشیلی خطابت کے سحر سے اپنے وجود کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

دنیا کو سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف آیت اللہ خمینی کا فتویٰ آج تک یاد ہے۔ رشدی کے قتل کا فتویٰ جاری کیا گیا اور اس کے سر کی قیمت مقرر کی گئی۔ لیکن کیا سلمان رشدی کو قتل کر دیا گیا؟ کیا یہ ممکن تھا کہ فتویٰ جاری ہونے کے بعد اسے قتل کیا جا سکتا؟ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ مقصد صرف فتویٰ کے اجراء کا تھا اس کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ فتوی کے متن سے اختلاف اور عدم اختلاف کی بحث سے قطع نظر اصل سوال یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں کیا بات کہنے کا موقع محل، اہمیت کا حامل ہے یا نہیں۔ سخت سے سخت بات کی جا سکتی ہے لیکن اس کا طریقہ کار شریعت نے طے کر دیا ہے۔ امت میں جذباتی ہیجان پیدا کرنے کے بعد رشدی کی مغرب میں مقبولیت بڑھا دی گئی۔ جس کتاب کو کوئی نہیں جانتا تھا وہ کتاب لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئی۔ رشدی نہ صرف ارب پتی بن گیا بلکہ عالمگیر سطح کی شخصیت بھی جس کی حفاظت پر لاکھوں روپے خرچ کیے جا رہے ہیں۔ فتویٰ دینے والوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ محرف انجیل میں انبیاء کرام کے حوالے سے کیا کچھ لکھا ہے۔ کیسی توہین آمیز باتیں، کتنی گستاخیاں انبیاء کی شان میں کی گئی ہیں۔ آیت اللہ خمینی کے فتوے کے بعد ایران میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا اور انجیل کے حوالے سے آیت اللہ سے پوچھا گیا تھا۔ کیا انبیاء پر ایسے شرمناک الزامات تسلیم کیے جا سکتے ہیں؟ کیا کوئی نبی اپنی بیٹی سے ملاعبت کر سکتا ہے؟ کیا کوئی نبی اپنے

سپہ سالار کی اہلیہ کو اپنے نکاح میں لانے کے لیے اسے اگلے محاذوں پر بھیج کر اس سے چھٹکارا پا سکتا ہے؟ ایک عام آدمی بھی اخلاقی گراوٹ کی اس انتہا پر کبھی نہیں پہنچتا تو پیغمبر علیہ الصلوۃ السلام کی ذات گرامی سے ایسے شرمناک معاملات کو منسوب کرنا کیسے ممکن ہے۔ یہ تمام واقعات تفصیل کے ساتھ بائبل میں درج ہیں اور بائیبل صدیوں سے امت مسلمہ کے تمام علاقوں میں پڑھی جاتی ہے، شائع کی جاتی ہے، اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے لیکن اس پر کسی نے کبھی قدغن عائد نہیں کی، اس کے خلاف فتویٰ کیوں نہیں دیا گیا۔ اس پر پابندی کا مطالبہ کیوں نہیں ہوا۔ اس کا مطالعہ کرنے والوں کے سر قلم کرنے کا فرمان کیوں جاری نہیں کیا گیا؟ یہ انتہائی اہم سوال تھا جس پر ایران میں خاموشی اختیار کی گئی۔

ایرانی صدر یہ بات یاد رکھیں کہ دنیا میں انقلاب تبدیلی اور تغیر کا طریقہ صرف اور صرف وہی ہے جو وحی الٰہی اور ذات محبوب الٰہی کے ذریعے اس امت تک پہنچا ہے۔ اس طریقے میں محبت کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ اپنے دشمنوں سے اور مشرکین سے اہل کتاب سے محبت، یہ محبت اس مقام پر پہنچ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑتا ہے کہ ''تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ [آل عمران، ۱۲۹] اس محبت کے باوجود اگر ان کا بغض شرانگیزی، سرکشی، دشمنی، طغیان باقی رہے تو اس کا فیصلہ تلواریں کرتی ہیں۔ لیکن تلواروں سے فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی تیاری بھی کی جاتی ہے۔ غزوہ بدر سے پہلے شعب ابی طالب بھی ہے۔ امت مسلمہ اس وقت مشکلات و مسائل میں گھری ہوئی ہے لہٰذا منصوبہ بندی کے بغیر صرف جذباتی باتیں امت کے لیے خسارے کا سودا ہے۔ ایرانی صدر یہ بات یاد رکھیں کہ رسول اللہ نے مکہ پر حملہ کرنے سے پہلے اس کا اعلان عام نہیں فرمایا۔ جب تیاری ہوگئی تو فوج کو حکم دے دیا گیا اور مکہ لمحوں میں فتح ہوگیا۔ نعرہ بازی کی خطابت و سیاست کا اسلامی روایت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس رویے کو ترک کر کے کی سنجیدگی اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

انقلاب آندھی اور طوفان کی طرح نہیں آتے۔ اگر انقلاب اس طرح سے آتے ہیں تو اسی طریقے سے رخصت بھی ہو جاتے ہیں۔ اسلامی انقلاب شبنم اور دیمک کی طرح لایا جاتا ہے۔ شبنم کی آواز کبھی کسی نے سنی ہے۔ لیکن صبح طلوع سحر کے وقت ہر ذرہ شبنم سے تر بہ تر ہوتا ہے۔ دیمک اپنا کام رفتہ رفتہ دکھاتی ہے۔ جب کام ہو جاتا ہے تو وہ نمودار ہوتی ہے اور اس کا توانا وجود اعلان کرتا ہے کہ مخالف تہذیب وتمدن کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں جو انقلاب دیمک اور شبنم کی طرح نہیں آتے جو گھن گرج پر یقین رکھتے ہیں وہ اسی گھن گرج کے ساتھ ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ سچ ہے جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں۔